مادرملت کی میراث

پروفیسر فتح محمد ملک

مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی خدمت، ایثار اور وفا کی اقدار سے اٹوٹ اور فعال وابستگی سے عبارت تھی۔ انہوں نے زندگی کے انفرادی اور اجتماعی ہر دو میدانوں میں ان اعلیٰ انسانی اقدار کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا۔ اپنے عظیم بھائی کی طرح انہوں نے جو کہا وہی کیا۔ جب انہیں قائداعظم کی بیماری کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بھائی کی تیمارداری کا حق ادا کرنے کی خاطر اپنے ذاتی رنج و راحت کو بھلا دیا اور اپنے کلینک کو بند کر کے اپنے ذاتی کیریئر کو ختم کر دیا۔ قائداعظم تو قوم کی تیمارداری میں ہمہ وقت منہمک تھے ہی اب محترمہ فاطمہ جناح قائداعظم کی تیمارداری میں خودفراموشی کی حد تک مصروف عمل ہو گئیں۔

طلوع آزادی کے ساتھ ہی ہمارے قومی افق پر دو نامور خواتین نمودار ہوئیں۔ ان میں سے ایک مادرملت محترمہ فاطمہ جناح تھیں اور دوسری خاتون پاکستان رعنا لیاقت علی خان۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان پاکستانی خواتین کی اصلاح، بہبود اور ترقی میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے لیے ایک وسیع تر اور کٹھن تر میدان عمل کا انتخاب کیا۔ پاکستانی قوم کی آزادی، خودمختاری اور انسانی حقوق کا تحفظ ان کی سرگرمیوں کا مرکز و محور قرار پایا۔ بابائے قوم کی رحلت کے بعد وہ ہر آن ہمیں ان عظیم تصورات کی جانب متوجہ کرتی رہیں جنہیں عملی زندگی کے ٹھوس اور متحرک قالب میں ڈھالنے کی خاطر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ وہ ہمیں بڑے تسلسل کے ساتھ قائداعظم کے خواب وخیال کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں روبہ عمل لانے کی تلقین کرتی رہیں۔ پاکستان میں جب پہلے پہل سلطانی جمہور کے خواب پامال ہوئے تو انہوں نے ایک بہادر، نڈر اور محب پاکستانی شخص بن کر آمریت کو چیلنج کیا۔ جبرواستبداد کے خلاف ان کا احتجاج صرف لفظی احتجاج کا نام نہ تھا بلکہ عملی زندگی کا ایک آتشیں مسلک تھا۔ انہوں نے اس مسلک سے بھی وفا کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے ہمیں بروقت خبردار کیا کہ ہم نے انحراف کی خطرناک راہ اختیار کر لی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ انحراف کی بجائے اثبات کا راستہ اپنا کر پاکستان کو تحریک پاکستان کے خوابوں کا پاکستان بنا دیں۔ انہوں نے ہمیں بار بار یاد دلایا کہ قائداعظم کس طرح کا پاکستان چاہتے تھے؟ پاکستان کے تصور اور پاکستانی زندگی کے حقائق کے درمیان تضاد اور تصادم کی کیفیات کی مادرملت جس جرأت رندانہ کے ساتھ نشاندہی کرتی رہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

جس وقت صدر ایوب خاں نے صدارتی انتخاب کا اعلان کیا اس وقت چار سو ہو کا عالم تھا۔ ایسی دہشت

تھی، ایسا سہم تھا کہ کوئی سیاسی پارٹی اور کوئی سیاسی لیڈر ایوب خان کے مقابلے میں صدارتی امیدوار بننے کو تیار نہ تھا۔ مولانا بھاشانی اور مولانا مودودی سمیت پاکستان کی سیاسی پارٹیوں کے رہنما ایک ساتھ مادر ملت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ صدارتی امیدوار بن کر صدر ایوب خان کے مقابلے میں آئیں۔ چنانچہ مادر ملت نے ان سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کی قیادت کا کٹھن فریضہ سرانجام دیا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب سرکاری اشارے پر چند علمائے کرام نے یہ سوال اٹھایا کہ از روئے شریعت عورت کسی مسلمان مملکت کی سربراہ نہیں ہوسکتی تو خود مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ فتویٰ دیا کہ کوئی اور مسلمان عورت کسی اور مسلمان ملک کی سربراہ ہوسکے یا نہ ہوسکے، مادر ملت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سربراہ ہوسکتی ہیں۔

میں اس فتوے کا یہ مطلب لیتا ہوں کہ از روئے اسلام مادر ملت کے عہد میں پاکستان میں کوئی بھی مرد اپنی اعلیٰ انسانی اوصاف میں ان کا ہمسر نہ تھا۔ شیر مردوں کے اس قحط میں مادر ملت شجاعت اور ''مردانگی'' میں اپنی مثال آپ تھیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے صدارتی انتخابات کی اس مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے دور دراز علاقوں میں جلسہ ہائے عام سے خطاب فرمایا۔ ان جلسوں میں انہوں نے اجلی اور شفاف جمہوریت، معاشی عدل وانصاف، معاشرتی مساوات اور علمی اور تخلیقی آزادی کے تصورات کو پاکستانی معاشرے میں سکہ رائج الوقت بنانے کے عزائم کا اظہار کیا۔ انہوں نے دوٹوک انداز میں یہ بات عوام کے ذہن نشین کی کہ پاکستان انہی آفاقی انسانی اصولوں کو عملی زندگی کی بنیاد بنانے کے لیے وجود میں آیا تھا۔

یہ میری خوش بختی ہے کہ میں مادر ملت کو دو تین بار عام جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ میں ان کی پہلی انتخابی تقریر تلہ گنگ میں سنی تھی۔ وہ جہلم میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرنے کے بعد میانوالی جارہی تھیں کہ تلہ گنگ کے عوام نے ان کی گاڑی کو روکا۔ وہ اتریں اور ہجوم سے خطاب کرنے لگیں۔ نحیف ونزار مگر انتہائی باوقار، سفید قمیض شلوار اور سفید دوپٹے میں ملبوس یہ کشیدہ قامت پیکر عزم واستقلال آج بھی میری نگاہوں کے سامنے محوِ گفتار ہے۔ آج بھی مجھے اس دن کی طرح رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ اتنے نحیف ونزار پیکر سے اتنی گرجدار، اتنی پرعزم اور اتنی نڈر اور اتنی بیباک آواز کیونکر بلند ہوسکتی ہے؟۔۔۔ اصل اس کی نے نوازی کا دل ہے کہ چوب نے؟۔۔۔ نہیں اس کا سرچشمہ یہ پیکر خاکی نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ روح ہے، یہ دل ہے جس سے سورج کی کرنوں کی مانند پھوٹتی ہوئی یہ آواز جبر و استبداد کے فولادی نظام کے پرزے اڑاتی چلی جارہی ہے۔ یہ آواز ایک دل سے نکل رہی ہے اور پورے ہجوم کے دلوں میں اتر رہی ہے۔ یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے یہاں خوف ودہشت اور جبر واستبداد کی حکمرانی کبھی تھی ہی نہیں۔

میرے بزرگ دوست منظور عارف مرحوم بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ مادر ملت جب ہجوم سے

رخصت ہو کر میانوالی روانہ ہوئیں تو ہم لوگ پیدل چلتے ہوئے گاؤں پہنچے۔ گھر پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ دو میل کا سفر ہم نے خاموشی ہی خاموشی میں طے کرلیا ہے۔ جب میں نے اس خاموشی پر تعجب کیا تو منظور عارف نے کہا چپ، غزل ہو رہی ہے۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے:

تو اگر راہنما بن کے چلے
جرس دل کی صدا بن کے چلے

آج جب میں مادرِ ملت کے خطبات کو پڑھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں پڑھ نہیں رہا سن رہا ہوں۔ ایک شخص ہے جو اپنی ذات سے باہر نکل کر، اپنے رنج و راحت سے بالاتر ہو کر اور ہر نوع کے لالچ اور ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو کر ہم پاکستانیوں کو اس مثالی پاکستان کا خواب دکھانے میں مصروف ہے جسے ہمارے اجداد نے اپنی آنکھوں میں بسا کر پاکستان کی منزل کی جانب اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اس مثالی پاکستان کے خدوخال اور احوال و مقامات ہی وہ میراث ہے جسے ہمارے سپرد کر کے مادرِ ملت اللہ کو پیاری ہوئی تھیں۔ اس میراث کی قدر و قیمت کو سمجھنا اور اسے مثالی پاکستان کی تخلیق کے جذبے سے اپنے دلوں کی خاک میں بیج کی مانند بونا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی میں انہماک ہی وہ بہترین خراجِ عقیدت ہے جو ہم مادرِ ملت کو پیش کر سکتے ہیں۔